سیّد عطاءاللہ شاہ بخاریؒ

سوانح و افکار



شورش کاشمیری

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

سوانح و افکار

مطبوعاتِ چٹان
۸۸ میکلوڈ روڈ ○ لاہور

رجز خوانیوں سے یہ کارواں منزلِ مقصود کی طرف چلا جا رہا تھا۔

مہاتما گاندھی نے قومی سیاست میں داخل ہوتے ہی ۶ راپریل ۱۹۱۹ء کو رولٹ ایکٹ کے خلاف ہمہ گیر ہڑتال کا اعلان کیا تو ایک نیا ہندوستان پیدا ہو گیا۔ یہی وہ دن تھے جب ہندو مسلم اتحاد ایک معجزہ تھا۔ اور انگریز اس سے سخت ہراساں تھے۔ انہی دنوں امرتسر میں ریلوے کے بڑے پل سے ایک احتجاجی جلوس گزر رہا تھا کہ گورہ سپاہیوں نے گولی چلا دی جس سے چھ ہندوستانی جاں بحق ہو گئے، شاہ جی نے خیر الدین کی مسجد میں مسلمان شہداء کا جنازہ پڑھایا۔ ۱۰ راپریل کو ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال گرفتار کیے گئے تو سارا شہر آگ بگولا ہو گیا۔ ۱۳ راپریل کو یکم بیساکھ تھا امرتسر کے لوگ اپنے رہنماؤں کی گرفتاری کے خلاف احتجاج کرنے جلیانوالہ باغ میں اکٹھے ہوئے لیکن جنرل ڈائر کی بے تحاشا گولیوں کا نشانہ بن گئے اس مقتل میں پانسو ہندوستانی شہید ہوئے۔ زخمیوں کی تعداد کا اندازہ لگانا مشکل ہو گیا۔ دسمبر ۱۹۱۹ء میں انڈین نیشنل کانگریس کا سالانہ اجلاس بصدارت موتی لال نہرو امرتسر میں منعقد ہوا۔ مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس بھی حکیم اجمل خان کے زیر صدارت یہیں ہوا اور خلافت کانفرنس بھی مولانا شوکت علی کے زیر صدارت گول باغ امرتسر میں منعقد ہوئی — شاہ جی نے اس کانفرنس میں معرکہ آرا سیاسی تقریر کی یہ اُن کے جماعتی سفر کا آغاز تھا۔ اجلاس میں تحریک خلافت کے لیے دس لاکھ روپے اکھٹے ہو گئے، شاہ جی امرتسر سے باہر پہلی دفعہ کلکتہ کانگرس (فروری ۱۹۲۱ء) کے سالانہ اجلاس میں شامل ہوئے اور وہاں مولانا ابوالکلام آزاد کی تجویز ترکِ موالات کی تائید میں ایک پُر شکوہ تقریر کی اس سے ان کی دھاک بیٹھ گئی اور وہ صفِ اوّل کے ہندوستانی راہنماؤں میں شمار ہونے لگے۔

لاہور میں پہلی خلافت کمیٹی قائم کی گئی تو علامہ اقبالؒ اس کے صدر اور سر محمد شفیع سیکرٹری مقرر ہوئے لیکن سر مائیکل اڈوائر کے غضب کی تاب نہ لا کر ڈپٹی کمشنر لاہور کے اشارے پر مستعفی ہو گئے بلکہ خلافت کمیٹی ہی کو ختم کر دیا۔ حکیم عبدالمجید عتیقی مولانا ثناء اللہ کے ہاں

امرتسر پہنچے اور اُن سے یہ سب بیان کیا۔ مولانا ثناء اللہ نے ان کے ساتھ شاہ جی کو لاہور بھیجوا دیا، جلسۂ عام کا اعلان ہوا تو خوف کا یہ عالم تھا کہ موچی دروازہ کے باغ میں تین چار سو آدمی جمع نہ ہوسکے لیکن شاہ جی کی قرآن خوانی اور خوش بیانی رنگ لائی، اگلے روز جلسہ میں ۲۰ ہزار آدمی شریک ہوئے اور شاہ جی صبح تین بجے تک بولتے رہے۔ تمام سرکار مسحور ہوگئے۔ شاہ جی نے ڈنکے کی چوٹ اعلان کیا کہ لاہور میں خلافت کمیٹی ضرور بنے گی کسی حاطب اللیل میں ہمت ہے تو وہ اس کمیٹی کو توڑ کر دکھائے۔ چنانچہ شاہ محمد غوث سے متصل میاں سراج الدین پراچہ کے مکان میں خلافت کمیٹی کا دفتر قائم کیا گیا اور وہیں عہدیداروں کا انتخاب ہوا۔ سید حبیب ایڈیٹر روزنامہ سیاست کمیٹی کے صدر اور میاں فیروز الدین احمد سیکرٹری منتخب کئے گئے۔

سیاسی مسلک

یہ کہنا مشکل ہے کہ شاہ جی دیوبند کے مدرسہ فکر سے ذہناً کب وابستہ ہوئے اور شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے ان کی نظری وابستگی کا سن آغاز کیا تھا لیکن دیوبندی نہ ہونے کے باوجود ان کا دیوبند کے اکابر و افکار سے رشتہ اس قدر گہرا ہوگیا کہ ان کے مبلغ بھی تھے اور مجاہد بھی۔ عمر بھر انہوں نے اس مدرسۂ فکر کا ساتھ دیا، کسی عنوان سے جب کوئی معرکہ دیوبند کے دفاع یا دعوت کا پیش آیا شاہ جی ہمیشہ اس کے ہراول میں رہے۔

شاہ جی نے بدعات سے جنگ کی تو دیوبند کی تعلیمات کو ملحوظ رکھا۔ سلطان ابن سعود کا ساتھ دیا تو دیوبند ہی کا مطمح نظر سامنے رکھا۔ انگریزوں سے ان کے جہاد و غزا کا سبب بھی دیوبند ہی کے اکابر کا فکر و عمل تھا۔ وہ انگریزوں کے اس لئے مخالف نہیں تھے کہ ان کے پیش نظر محض نظریاتی مہم کا اصل اصول تھا ان کی انگریزوں کے خلاف جدوجہد کا سبب یہ بھی تھا کہ برعظیم کے علماء نے نصاریٰ کی ہر نوعی غلامی کو حرام قرار دیا اور ہندوستان ان کے نزدیک "دارالحرب" ہوگیا تھا۔ برطانیہ کو وہ اسلام کا دشمن سمجھتے اور اس کے خلاف جہاد و جنگ فی الجملہ ان کا نصب العین تھا۔

وہ دراصل شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ

کی جد و جہد کے سیاسی ورثا ر ہیں سے تھے ۔ ان کی تمام جد و جہد کا ماحصل یہ تھا کہ جو کچھ ان اکابر کے منہ سے نکلا اس کی آبیاری وثمر آوری اپنا دینی فرض سمجھا ۔ انہیں ہندوستان کے سیاسی مباحث یا قومی مسائل سے کوئی تعلق نہ تھا وہ صرف اکابر علما کی سیاسی روایتوں اور دینی حکایتوں کے معنوی وارث تھے اور ان کے مطابق اپنی جد و جہد کا سفر کرتے رہے ۔ ان کے سامنے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا یہ فتویٰ (۱۷۶۵ء) تھا کہ :

" انگریزی حکومت سے جہاد فرض ہو چکا ہے اس کی توفیق نہ ہو تو ہر دیندار مسلمان پر ہجرت لازم ہو گئی ہے " (بہ تلخیص)

مولانا عبدالباری فرنگی محل لکھنؤ نے اپریل ۱۹۱۵ء کو اس فتویٰ ہی کی اساس پر فتویٰ دیا تھا کہ :

" ہندوستان دارالحرب ہو چکا ہے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ ہندوستان سے ہجرت کر کے کسی ایسے ملک میں چلے جائیں جہاں کی قدریں اسلام سے ملحق ہوں "

اسی کا نتیجہ ہندوستانی مسلمانوں بالخصوص پنجاب و سرحد کے مسلمانوں کی ہجرت تھی ۔ آل انڈیا خلافت کانفرنس دہلی کے اجلاس میں علامہ عزیز ہندی نے اس مضمون کی قرارداد پیش کی تو فوراً پاس ہو گئی ، لوگوں نے ہجرت شروع کی اور لوگ قافلہ در قافلہ کابل جانے لگے حکومت نے ابتداً روکنا چاہا لیکن مانتا کون ؟ آناً فاناً کوئی چالیس ہزار افراد افغانستان پہنچ گئے ۔ غازی امان اللہ نے انہیں زمینیں دیں ، ملازمتیں دیں اور تجارت میں حصہ دار کیا لیکن جو لوگ سرکاری جاسوس کی حیثیت سے ان کے ساتھ گئے تھے وہ گل کھلانے میں کامیاب ہو گئے انہوں نے امان اللہ خان کو بھی زچ کیا تاہم ایک نتیجہ ضرور نکلا کہ افغانستان انگریزی حکومت کے انتداب سے آزاد ہو گیا ۔ ہجرت کرنے والوں میں مولانا احمد علی لاہوری ، خان عبدالغفار خان اور جناب اقبال شیدائی بھی شامل تھے ۔

مولانا محمد علی جوہر اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری وغیرہ ان دنوں لندن میں وفد خلافت

لے کر گئے ہوئے تھے، یہاں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا شوکت علی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور مولانا حسین احمد مدنی وغیرہ اس ہجرت کو مضر خیال کرتے اور ہندوستان ہی میں غیر ملکی غلامی کے خلاف نبرد آزمائی کے حق میں تھے۔ مولانا حسین احمد مدنی نے ۱۱ر جولائی ۱۹۲۰ء کو خلافت کانفرنس کراچی کے اجلاس میں حکومت برطانیہ کی ہر نوعی ملازمت کو شرعاً حرام قرار دیا تو اس قرارداد اور مختلف زعماء کی تقریروں سے برافروختہ ہو کر حکومت نے ملک بھر میں گرفتاریوں کا آغاز کیا۔ مولانا محمد علی، مولانا حسین احمد مدنی، پیر غلام مجدد وغیرہم کراچی میں ۱۲۴ الف کے تحت دھر لئے گئے، انہیں دو دو اور تین تین برس کی سزا دی گئی۔

آخر کار منفی و مثبت اثرات کے تحت ہجرت کی تحریک ختم ہو گئی، کچھ لوگوں کے سوا تقریباً سبھی لوگ واپس آ گئے، اُن مسلمانوں کو سخت نقصان اُٹھانا پڑا جو اپنی جائدادیں اونے پونے فروخت کر کے کابل گئے تھے، لاہور سے دو مولوی عبدالحق اور عبدالرحمٰن بھی سرکاری جاسوس کی حیثیت سے مہاجروں کے ساتھ گئے تھے لیکن ان کا انجام یہ ہوا کہ دونو حکومت کے ہاتھوں مارے گئے۔

شاہ جی تحریک ہجرت کے معاون تھے اور انہی کی تقریروں سے متاثر ہو کر بے شمار لوگ امرتسر سے کابل گئے تھے۔

اُدھر حضرت شیخ الہند محمود حسن (علیہ الرحمۃ) اپنے شاگرد رشید مولانا حسین احمد مدنی کے ساتھ مالٹا سے رہا ہو کر ہندوستان پہنچے تو جمعیۃ العلماء نے شیخ الہند کو اپنا صدر منتخب کر لیا۔ اسی زمانہ ہی میں شیخ الہند کے ہاتھوں جامعہ ملیہ دہلی کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ مولانا محمد علی جوہر جامعہ کے بانی تھے اور انہی کی تحریک پر جامعہ قائم ہوا تھا۔ اِدھر شاہ جی نے انہی دنوں گجرات میں آزاد ہائی سکول قائم کیا۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے افتتاح کیا۔ چودھری فیض محمد ایم، اے ہیڈ ماسٹر اور ملک نصر اللہ خان عزیزؔ سیکنڈ ماسٹر مقرر کئے گئے۔ آجکل وہ اسلامیہ ہائی سکول کے نام سے منسوب ہے۔ آخر کار حکومت نے ۲۷ر مارچ ۱۹۲۱ء کو آدھی رات کے وقت

زیر دفعہ ۱۲۴ الف شاہ جی کو پکڑ لیا۔ کچھ دنوں مقدمہ چلا پھر ۸ اپریل کو مسٹر ایف اے کارنز ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے تین سال قید بامشقت کی سزا سنادی، اس میں تین ماہ قید تنہائی کے تھے ـــــ اس قید نے شاہ جی کو انگریزی حکومت کا مستقل باغی بنا دیا اور وہ ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء کی رات کے بارہ بجے تک برطانوی استعمار کے خلاف جد و جہد کرتے رہے، ان ۲۶ سال میں انہوں نے آٹھ سے دس ہزار کے درمیان تقریریں کی ہوں گی جن کا لب ولباب اور مطلع و مقطع انگریزی حکومت کی بیخکنی تھا۔

شاہ جی نے اس سارے عرصہ میں بہت سے معرکے سر کئے اور کئی دفعہ جیل گئے مثلاً تحریک خلافت، تحریک شدھی، تحریک قبہ، تحریک حفظ ناموس رسالتؐ، تحریک میرزائیت تحریک عدم تعاون، تحریک کشمیر، تحریک شہید گنج، تحریک آزادیٔ وطن اور دوسری جنگ عظیم میں فوجی بھرتی کی مزاحمت! فی الجملہ قومی جد و جہد، سیاسی رزم و بزم اور دینی جہاد و جنگ کے مختلف العنوان سلسلے تھے جن میں شاہ جی نے بھرپور حصہ لیا۔ وہ محض حصہ دار ہی نہیں تھے بلکہ ان کا پورا کردار ایک ایسے حدی خوان کا تھا جس کی آواز سے قافلہ مرتب ہوتا اور منزل کی طرف قدم اٹھاتا ہے۔ یہ ذکر کسی دوسرے باب میں آئے گا کہ اس سفر میں وہ کن کن صعوبتوں سے گزرے اور اپنی عمر عزیز کا کتنا حصہ قید و بند کے آغوش میں بسر کیا حتیٰ کہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔

عقیدہ و مسلک

شاہ جی حنفی مسلک کے تھے لیکن ان حدود کے باوجود قلندر قسم کے مسلمان تھے کہ ہر مسلک و مشرب سے ایک گونہ مناسبت تھی، کسی مسلک سے تعرض ہوتا تو اس کے پس منظر میں صرف یہ چیز ہوتی کہ اس کی بنیاد میں انگریز دوستی تو نہیں ہے یا پھر وہ ان مظاہر و آثار کے مخالف تھے جن سے شرک فی التوحید یا شرک فی النبوۃ کو راستہ ملتا تھا اور لوگ اصل دین کو چھوڑ کر نقلی دین کا ٹھاٹ رچاتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ از روئے اسلام وہ ہر اُس مسلک و مشرب کے ساتھ تھے جس سے انگریزوں کی غلامی ختم ہوتی اور ان کے خلاف ذہنی آب و ہوا کو نشو و بلوغ حاصل ہوتا اور ہر اس مسلک و مشرب سے کنی کتراتے بلکہ اس کے پیرووں پر بشرط ضرورت تابڑتوڑ حملے کرتے جس مسلک و مشرب کو مداہنت و مصلحت سے داغدار پاتے۔

انہوں نے شہادتِ حسینؓ پر بہت کم تقریریں کیں، ایک دفعہ راقم نے عرض کیا کہ شاہ جی سانحہ کربلا پر تقریر فرمائیے ملکہنے لگے میں اس موضوع پر تقریر نہیں کرسکتا میرے خاندان پر جو بیتی ہے بیان کروں تو خود میرا جگر شق ہوجائے گا لیکن عام تقریروں میں جب کبھی اس حادثہ محزنہ کا ذکر کرتے تو ایک آدھ روایت ہی سے لوگوں کی چیخیں نکل جاتیں کہ بڑے بڑے ذاکر و مجتہد ان کے سامنے رہ جاتے تھے۔ ان کا مسلک سینہ کوبی یا سوز خوانی نہیں تھا۔ جب کبھی کسی سیاسی مسئلہ میں شیعہ اکابر کو جھنجھوڑتے تو فرماتے:

"کیا ہوگیا ہے تمہیں ؟ حسین علیہ السلام کا نام لیتے ہو لیکن صدیوں سے تمہارا شعار یہ ہوگیا ہے کہ یزید مُردہ پر لعن کرتے ہو اور یزید زندہ کی پوجا کرتے ہو"؟

بدعات کے خلاف طعن و تعریض کرتے اور مسلمانوں کو ان سے روکتے تو دو کاندار علمار ان پر وہابی کا طعن توڑتے لیکن ان کے لئے یہ طعن بیکار تھا۔ جن دنوں ابنِ سعود نے قبہ شکنی کی اور سرکاری علمار نے ہندوستان میں ابنِ سعود کے خلاف ہنگامہ برپا کیا تو شاہ جی ابنِ سعود کے طرفدار تھے اس جرم میں انہیں وہابی کہا گیا حالانکہ وہابی نہ تھے اور نہ کبھی جماعتِ اہل حدیث نے اپنی کسی تحریر و تاریخ میں انہیں اپنا تسلیم کیا لیکن ہندوستان کے اہل حدیث علمار کی سزا اکثر انہیں ملی، جگہ جگہ شاہ جی کے وہابی ہونے کا چرچا ہوگیا۔ ان دنوں کسی بدو نے سلطان عبدالعزیز ابن سعود کو بیت اللہ میں خنجر مار کر ہلاک کرنا چاہا، محافظ دستہ آڑے آگیا اور سلطان محفوظ ہوگئے لیکن حملہ آور محافظ کی گولی سے وہیں ڈھیر ہوگیا۔ شاہ جی ابن سعود ہی کے مسئلہ پہ تقریر کر رہے تھے سوال کیا گیا،

شاہ جی! حرم میں گولی چلانا جائز ہے؟

فرمایا، نہیں بھائی خنجر چلانا جائز ہے۔

اور لوگ داد و تحسین میں ڈوب گئے۔

غرض شاہ جی ہنستے ہنساتے بہت سی باتیں کہہ جاتے، کسی نے کہا:

شاہ جی وہابی اور غیر وہابی میں کیا فرق ہے؟

فرمایا اس قسم کے سوال نہ کیا کرو، دین کی توقیر کم ہوتی ہے، سائل کا اصرار بڑھا تو کہنے لگے، میاں! جو تم کہلوانا چاہتے ہو وہ یہ ہے کہ وہابی بے ادب باایمان ہوتا ہے اور غیر وہابی باادب بے ایمان۔

ظاہر ہے کہ یہ مذاق تھا جو لوگ اس قسم کے شرارتی سوال کرتے ان کے لئے ایسے ہی جواب شافی ہوتے تھے۔

ایک روز شاہ جی علامہ انور صابری سے قوالی سن رہے تھے، مولانا حبیب الرحمٰن آگئے، لاحول پڑھا، شاہ جی نے إِنَّا لله فرمایا، بھائی حبیب الرحمٰن! مذہب کسی یبوست کا نام نہیں، میں چشتی بھی ہوں، نقشبندی بھی اور قادری بھی، مجھے ان تمام مسالک سے باطنی ربط ہے۔

شاہ جی روایتی طور پر صوفی بالکل نہیں تھے لیکن زندگی سنوارنے کے لئے شیخ کی صحبت ضروری سمجھتے، ان کے نزدیک تصوف، سکینی و عاجزی یا گوشہ نشینی و دستبرداری کا نام نہیں تھا۔ وہ تصوف کو احسان سے تعبیر کرتے اور احسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ایک ایسی عبادت ہے گویا خدا تم کو دیکھ رہا ہے یا تمہارا یہ سمجھنا کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے، شاہ جی عموماً کہا کرتے کہ نظر کا فیضان کتابوں سے نہیں بزرگوں کی صحبت اور توجہ سے پیدا ہوتا ہے اور یہی اصل تصوف ہے، جن چیزوں کو معروفات سمجھتے ان کے نزدیک وہ علم الیقین اور عین الیقین ہی نہیں بلکہ حق الیقین کا درجہ رکھتی تھیں، فرماتے

تصوف، وجدان کی تنقیح کرتا ہے اور علم سے وسعت فکر پیدا ہوتی ہے۔ اس ضمن میں امام مالک کے نقطہ نگاہ سے موافق تھے کہ جو شخص صوفی ہوا اور فقیہ نہ ہوا وہ گمراہ ہوا، اور جو فقیہ ہوا اور صوفی نہ ہوا وہ فاسق رہا جس نے ان دونوں کو جمع کیا وہ محقق ہو گیا۔ وہ ہندوستان کے صوفیوں کی بہت سی ٹکڑیوں سے بیزار تھے ان کا خیال ہی نہیں، تجربہ تھا کہ ہندوستان کا تصوف ہندو مائی تھالوجی (خرافیات) کی اسلامی شکل ہے اس کو حجازی اسلام سے کوئی واسطہ نہیں، جس تصوف سے سکنت پیدا ہو یا توجہ الی اللہ مخلوق خدا سے کنارہ کشی سکھائے وہ اس مسلک سے بیزار تھے ان کے نزدیک یہ ہندوازم کا جوگ تھا۔

فرمایا ایک دفعہ میں نے بھی خانقاہی ہونا چاہا، ۱۲ سال تک روزے رکھے چھ چھ گھنٹے میں قرآن پاک ختم کیا، کئی کئی روز پانی میں نمک ملا کر جو کے ستوؤں پر گذر کی، تنور کی روٹی کے خستہ ٹکڑے کھاتا رہا لیکن اس سے بس اتنی معرفت قلب پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ میں قناعت پیدا کر دی اور میں سیر چشم ہو گیا اس ریاضت ہی کا نتیجہ میری خطابت کا بانکپن تھا۔

قبہ شکنی کا ذکر ہو رہا تھا فرمانے لگے میں نے ابن سعود کی حمایت صرف اس لئے کی تھی کہ جو لوگ یہاں ان کی مخالفت میں پیش پیش ہیں وہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کے مہرے تھے اور ابن سعود کا وجود برطانوی حکومت کے لئے اس لحاظ سے سوہان روح تھا کہ اس نے انگریزی استعمار کے ایک ذلیل مہرے شریف مکہ کو اکھاڑ پھینکا تھا۔ شاہ جی کا ارشاد تھا کہ ہندوستان میں وہی لوگ ابن سعود کے خلاف واویلا کر رہے تھے جو پہلی جنگ عظیم میں انگریزوں کے خدمتگار اور سپاس گزار تھے۔ (الا ماشاء اللہ) ان کے نزدیک ابن سعود کے خلاف ہندوستان کے مسلمانوں کا ہنگامہ انگریزوں کی شاطری تھا۔ انگریزوں کو اندازہ ہو چکا تھا کہ تحریک خلافت ان کے لئے کیا داغ چھوڑ گئی ہے اور مسلمانوں کی دنیائے اسلام سے وابستگی کے نتائج کیا ہو سکتے ہیں؟ مسلمانوں کو شریف مکہ سے جو نفرت پیدا ہوئی تھی انگریز اپنے اس مہرے کی شکست کے بعد اس نفرت کو ابن سعود کی طرف منتقل کرنا چاہتے تھے تاکہ حجاز میں انگریزوں کی آئندہ

سیاست ہندوستانی مسلمانوں کے لئے کسی نئی تحریک کا باعث نہ ہو۔

شاہ جی نے اس مہم میں ضعیف الخیال مسلمانوں سے بہت سی گالیاں سُنیں لیکن اپنا مشن جاری رکھا۔ اور کفر کے فتووَں کو خندہٗ زیرِ لب کی نذر کرتے رہے، جیسے کوئی چیز ہی نہیں۔

شاہ جی اصلح من الناس کے قائل تھے، حضرت سید پیر مہر علی شاہؒ گولڑہ شریف سے بیعت ارشاد کی، حضرت شیخ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت جہاد، وہ خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے والہ و شیدا تھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے شیدائی اور شاہ ولی اللہؒ کے فدائی تھے۔ حقیقتہً وہ ایک سیدھے سادے راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ ان کے ہاں مذہب کی رعونت اور دین کا آزار بالکل نہ تھا، غرض فقر و سیاست کا ایک ایسا چشمہ تھے جس سے کئی سوتے پھوٹتے تھے۔ وہ اہل اللہ کے سوا کسی سے مرعوب نہ ہوتے، قدرت سے بے نیاز طبیعت لے کر پیدا ہوئے تھے اور آخری سانس تک اس پر قائم رہے کوئی شخص اپنے اقتدار و وجاہت کے بل پر ان سے کوئی مطالبہ نہ کر سکتا تھا۔

ان کی محفل آرائیاں سیکڑوں مرتب و غیر مرتب کتابوں کا خلاصہ ہوتیں، ان کے ہاں کسی کیلئے کوئی روک نہ تھی وہ انگریزی استعمار اور میرزا غلام احمد کی نبوت کے سوا کسی کے دشمن نہ تھے ان کا دروازہ ہر شخص کے لئے کھلا تھا۔ جہاں ایک جام بدست رند سے لے کر ایک عمامہ بر سر زاہد تک اور ایک کفن بدوش مجاہد سے لے کر ایک شاہد بکنار شاعر تک بلا تکلف داخل ہو سکتے تھے وہ تنہائی سے نفرت کرتے اور آشنائی سے محبت رکھتے تھے، انہیں معلوم تھا کہ تنہائی کے آگے بازار ہے اور بازار پریشانی کا نام ہے لیکن وہ کانٹوں میں کھِلنے والے انسان تھے، انہیں تخلیہ سے زیادہ مجمع اور کتابوں سے زیادہ انسانوں کا غول پسند تھا، فرماتے ان کتابوں کو پڑھ کر کیا لوں گا؟ جن سے عقل ویران ہوتی اور عشق کو مصلحت کی دیمک لگ جاتی ہے، اپنے احباب میں اکثر و بیشتر ذیل کا شعر بہ لحن پڑھا کرتے ۔